سمندر پوچھتا ہو گا



فاخرہ بتول

تعارف

نام: فاخرہ بتول

ولدیت: سید صفدر علی نقوی (شہید)

تعلیم: ایم اے اردو، بی ایڈ

کتب کے نام:

(۱) پلکیں بھیگی بھیگی سی (بار سوئم)

(۲) چاند نے بادل اوڑھ لیا (بار سوئم)

(۳) کہو وہ چاند کیسا تھا؟ (بار سوئم)

(۴) اب بھرے شہر میں مجھے ڈھونڈو (بار سوئم)

(۵) سمندر پوچھتا ہوگا (بار اول)

ایڈریس: مکان نمبر: BB-644/A/1 گلی نمبر 3، عیدگاہ راولپنڈی

ای میل:

Fakhira_batool@yahoo.com

فہرست

سمندر پوچھتا ہوگا

اللہ تعالیٰ کے کرم اور محمدؐ آل محمدؐ کے صدقے میں ''پلکیں بھیگی بھیگی سی'' ''چاند نے بادل اوڑھ لیا'' ''کہو وہ چاند کیسا تھا؟'' اور ''اب بھرے شہر میں مجھے ڈھونڈو'' کے کئی کئی ایڈیشن مارکیٹ میں آ چکے ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ آپ میری کتابیں خرید کر ان کا مطالعہ کرتے ہیں آپ کی آراء پر مبنی آپ کے ڈھیروں خطوط سے اس بات کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ آپ میری شاعری کا عمیق مطالعہ کرتے ہیں- آپ کے مشورے نہ صرف آپ کے شعری ذوق کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ میری رہنمائی کا موجب بھی ہیں- ''سمندر پوچھتا ہوگا'' آپ کے ہاتھوں میں ہے- یہ آپ کو کیسی لگتی ہے مجھے اپنی رائے سے ضرور آگاہ فرمائیے گا-

دعاؤں کی منتظر

فاخرہ بتول

سمندر پوچھتا ہوگا

فاخرہ بتول کا یہ پانچواں شعری مجموعہ ہے اور یہ اس کا دوسرا مجموعہ کلام ہے جس کا دیباچہ لکھنے کا مجھے شرف حاصل ہو رہا ہے- ورنہ تو وہ کسی لکھنے والے کو اپنی کتاب پر ایک لفظ بھی لکھنے کی اجازت نہیں دیتی- ویسے بھی اب وہ اس مقام سے بہت آگے نکل چکی ہے جہاں لکھنے والے کو کسی دیباچے کی بیساکھیوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے- اس کتاب کا دیباچہ لکھنے سے اس کی کتاب کو کوئی سرخاب کا پر نہیں لگے گا- بلکہ میرے دیباچے کو اس کی کتاب اتنے پر ضرور لگا دے گی کہ میرا دیباچہ اڑ کر پوری دنیا میں پھیل جائے گا-

فاخرہ ان چند لکھنے والوں میں سے ہے جس نے بہت تیزی کے ساتھ شاعری کی بہت سے منازل طے کر کے اپنی باقاعدہ ایک شناخت بنالی ہے اور اتنی تیزی کے ساتھ اپنے سچے جذبوں اور کھرے لفظوں کا لوہا منوا کر وہ مقام حاصل کر لیا ہے جو بہت کم لکھنے والوں کو نصیب ہوتا ہے-

فاخرہ بنیادی طور پر ایک رومانی شاعرہ ہے اور شاعری کے اجزائے ترکیبی میں رومان ہی اس کا بنیادی جزو ہے- اور یہ صرف فاخرہ بتول ہی نہیں دنیا کی نوے فیصد بڑی شاعری کا بنیادی عنصر ہوتا ہی Romanticism ہے- خواہ وہ دنیا کے کسی حصے اور کسی زبان ہی میں تخلیق کیا جا رہا ہو- کیونکہ شاعری نام ہی جذبوں کے اظہار کا ہے- پھر جذبے جتنے سچے ہوں گے اور جتنی شدت سے وہ دل سے نکلیں گے اتنی ہی شدت سے وہ قاری یا سامع کے دل میں اُتریں گے-

فاخرہ غزل اور نظم دونوں اصناف سخن میں ایک جیسی توانائی اور ایک جیسی مہارت سے لکھنے پر

قادر ہے اور اس کی وجہ یقینی طور پر اس کے جذبوں کی سچائی اور اس کا بے لکنت اظہار ہے- میں نے بہت کم ایسے لوگ دیکھے ہیں جو اتنی سرعت کے ساتھ اپنے ہر تجربے کو شاعری کا حصہ بنا لیتے ہیں ادھر بات لبوں پر آئی ادھر شعری قالب میں ڈھل کر قلم کی زبان سے کاغذ کے دل میں اُتری- جب کاغذ جیسی بے جان چیز اس کے اشعار کو دل میں اتار لیتی ہے تو انسانی دل تو پھر انسانی دل ہیں-

ایک بات بطور خاص جو میں نے اس کی شاعری میں محسوس کی ہے وہ اس کی لسانی سحر انگیزی ہے- اسے مکمل طور پر ادراک ہے کہ اس نے نظم کے لیے کون سی زبان استعمال کرنی ہے اور غزل کے لیے کون سی زبان کو ذریعہ اظہار بنانا ہے- اس کے ہاں نظم میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ ہندی اور اردو کا امتزاج ملتا ہے- ایسے لگتا ہے دو مختلف رنگوں کے دریاؤں کا دو محبت بھرے بازوؤں کی طرح والہانہ قسم کا سنگھم ہو رہا ہے- جہاں اردو کے لفظوں کی ضرورت ہے وہاں اردو کے لفظ پھولوں کی طرح کھلتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں جہاں ہندی کے لفظ اظہار کا پیرانہ بن سکتے ہیں وہاں ہندی کے لفظوں کی کلیاں مہکنے لگتی ہیں-

فاخرہ بتول کے ہاں جتنی بھی نظمیں اور غزلیں ہیں وہ صرف اور صرف قوت متخیلہ کے شجر کا ثمر ہی نہیں ہیں بلکہ دل کے جذبوں کی شاخوں پر کھلے ہوئے پھول ہیں- وہ خوشی کے رنگ کے پھول ہیں یا اُداسی کے رنگ کے وہ وصل کے رنگ کے پھول ہیں یا ہجر کی خوشبو لیے ہوئے ہیں یہ ایک الگ بات ہے- لیکن نتیجہ وہ کسی نہ کسی طرح قلبی واردات کا ہیں-

فاخرہ نے جس تیزی کے ساتھ اپنا شعری سفر طے کیا ہے اسی تیزی کے ساتھ اس کے فنی اور لسانی پہلوؤں میں بھی پختگی کی غزلیں طے ہوئی ہیں- ''پلکیں بھیگی بھیگی سی'' سے لے کر زیر نظر کتاب تک اس کا تخلیقی گراف بلند سے بلند تر ہوا ہے- یہ آنے والی کتاب گزشتہ کتاب سے کئی گناہ آگے نکلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے- ورنہ تو اکثر شاعروں کے ہاں پہلی کتاب کے بعد ان کے گراف میں تنزل بلکہ مسلسل تنزل دکھائی دینے لگتا ہے-

فاخرہ بتول ان دو ایک خواتین میں سے ہے جس نے بہت تیزی سے نہ صرف اپنی پہچان

بناتی ہے بلکہ Gender Barrier کراس کر کے شاعرات کی قطار ہی سے نکل کر سخن وری کی صف میں آ کھڑی ہوئی ہے جہاں صرف غزل گو یا نظم گو ہوتے ہیں۔ شاعر یا شاعرات کی تخصیص نہیں ہوتی۔

زیر نظر کتاب میں جو بات میرے لیے بحیثیت ایک شاعر کے قاری یا طالب علم کے طمانیت کا باعث ہوئی ہے وہ فاخرہ کی رومان پرور اور روح میں اتر جانے والی شاعری کے ساتھ ساتھ وہ نظمیں بھی ہیں جو اس نے ذاتی حصار توڑ کر لکھی ہیں۔ یعنی اپنی دلی دنیا سے باہر آ کر گرد و نواح میں پھیلی ہوئی دنیا کو بھی ایک اہل نظر سخنور کی طرح دیکھا ہے۔ جہاں اس نے ذاتی نظمیں لکھی ہیں وہاں اس نے اپنی ذات سے باہر آ کر ایسی نظمیں بھی لکھی ہیں جو موضوعاتی اعتبار سے اسے دنیا کے ان لوگوں میں بھی لے گئی ہیں جو شاعروں کے ساتھ ساتھ ہی اس دنیا میں قیام پذیر ہیں۔ بالخصوص اس کی نظمیں ''کوٹھیوں میں کام کرنے والی مائیاں''، ''کتے''، ''ہتھیلیاں بولتی ہیں''، ''ڈائنا سور''، ''سرطان''، ''شوکیس سے جھانکتی گڑیا'' یقینی طور پر ایسی نظمیں ہیں جو بہ لذت سے احساس دلاتی ہیں کہ فاخرہ صرف اپنے آپ کو دیکھنے کی عادی ہی نہیں اس کے چہرے پر وہ آنکھیں بھی ہیں جو نہایت گہرائی سے اس دنیا کی پوشیدہ تہوں کو بھی جا ہے تو کسی خوردبین کی طرح بھی دیکھ سکتی ہیں۔

کوئی شاعر ہو یا شاعرہ یہ حقیقت سب احباب پر روز روشن کی طرح واضح ہے کہ غزل لکھنا یا نظم لکھنا اپنی چوائس ضرور ہے لیکن غزل شاعر یا شاعرہ کی فنی سطح ماپنے کے لیے ایک بہت اہم پیمانہ ہے بلکہ شاعر یا شاعرہ اگر دونوں اصناف ایک جیسی مہارت تواتر کے ساتھ لکھتے ہیں تو ان کا مقام متعین کرنے کے لیے اُن کی غزل کی طرف ضرور دیکھنا پڑتا ہے۔ اس پل صراط پر سے گزرتے وقت اکثر خواتین کے تلوے کٹ جاتے ہیں اور اکثر خواتین کو Grace Marks دینے پڑ جاتے ہیں۔ لیکن اس کتاب کا مسودہ دیکھ کر میری طمانیت میں مزید اضافہ ہوا جب میں نے یکسوئی کے ساتھ فاخرہ کی غزلیں پڑھیں۔ جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ فاخرہ کو اس بات کا مکمل ادراک ہے کہ اس نے نظم میں کون سی زبان استعمال کرنی ہے اور غزل میں کون سی۔ مجھے خوشی اس بات پر زیادہ ہوئی کہ جہاں نظم ہی فاخرہ نے ذاتی حصار توڑ کر گرد و نواح کے موضوعات کو نظموں کا حصہ بنایا

وہاں یہ نمایاں اور مثبت تبدیلی اس کی غزل ہی نظر آنے لگی کہ غزلیں بنیادی طور پر رومانی ہونے کے باوجود ذاتی ڈائری کی طرح نہیں لکھی گئیں ہیں بلکہ انہیں پڑھنے والا اپنی قلبی واردات محسوس کرتا ہے۔ اس نے صرف اپنے دل کے درد کو دوسروں کے دل کے درد کی طرح محسوس نہیں کیا بلکہ دوسروں کے دل کے درد کو بھی اپنے دل کے درد اور اپنی قلبی واردات کی طرح محسوس کیا ہے۔ اس کی غزلوں میں ذاتی رومان کے علاوہ بھی ایسے مضامین ہیں جو اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ اس کی نظم اور غزل دونوں میں یکساں طور پر ذاتی حصار سے نکل کر کائناتی پرتوں کو کھولنے کی کوشش بھی کی گئی ہے۔ یہ تبدیلی بہت اہم اور بہت مثبت تبدیلی ہے اور یہ وہی تبدیلی ہے جو شاعر یا شاعرہ کو انفرادی سطح سے اجتماعی سطح کا سخنور بنا دیتی ہے۔ میں مثال کے طور پر چند اشعار تحریر کیے دیتا ہوں۔

کچھ حقیقت کچھ گماں ہے آسماں کے اس طرف
کس کے خوابوں کا دھواں ہے آسماں کے اس طرف
اس طرف تو وصل کی آدھی کہانی ہے بتول
اور باقی داستاں ہے آسماں کے اس طرف

صحرا میں جا کے گھر کا نشاں ڈھونڈتے رہے
جو جس جگہ نہیں تھا وہاں ڈھونڈتے رہے

موجوں کے اضطراب کا موسم ٹھہر گیا
کشتی کے پیچ و تاب کا موسم ٹھہر گیا

پل بھر مرے سوال کا موسم نہیں رکا
لیکن ترے جواب کا موسم ٹھہر گیا

محبتوں کا کوئی ایک باب کھول کے دیکھ
یہ کون کہتا ہے پوری کتاب کھول کے دیکھ

چھپی ہوئی کوئی تعبیر مل بھی سکتی ہے
بندھے ہوئے ہیں جو پلکوں سے خواب، کھول کے دیکھ

بدن سے روح کا ناتہ ہے کتنی دیر بتول
جو ہو سکے تو نقاب حباب کھول کے دیکھ

اس نے جب تجدید کا پوچھا تو میں نے یہ کہا
چوٹ پر اب چوٹ کھانے کا کوئی امکاں نہیں

کس طرح رات گزرتی تری یادوں کے بغیر
دن تو دنیا کے کئی کاموں میں کٹ سکتا تھا

خوابوں کو جاگیر بنانا بھول گئے
اس پہ ستم تعبیر بنانا بھول گئے

نام تمہارا ہاتھ پہ لکھنا یاد رہا
ہم اس کو تقدیر بنانا بھول گئے

نظم اور غزل میں شاعری کی اس منزل تک پہنچنے پر میں فاخرہ بتول کو اس کتاب کے حوالے سے پہلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

یقینی طور پر اس کتاب کو سامنے رکھتے ہوئے فاخرہ بتول سے اردو ادب میں بہت سے مثبت اضافے کی امید کسی باوفا کے سچے وعدے کی طرح باندھی جا سکتی ہے۔

عدیم ہاشمی

سلام

چمن ہے دینِ محمدؐ بہار زینبؑ ہے
حیا کے ملک کی پروردگار زینبؑ ہے

بنی اُمیّہ کے ایوان سب گرا ڈالے
جو حق سے برسرِ پیکار تھے مٹا ڈالے
رسولِ پاکؐ کے گھر کا وقار زینبؑ ہے
حیا کے ملک کی پروردگار زینبؑ ہے

بھلا حسینؑ کہاں اور پھر یزید کہاں
خدا کا نُور کہاں اور اک پلید کہاں
یزیدیّت کی جو سوچو تو ہار زینبؑ ہے
حیا کے ملک کی پروردگار زینبؑ ہے

جلال آپ کا بی بی! علیؑ کے جیسا تھا
کمال آپ کا میرے نبیؐ کے جیسا تھا
بتولؑ، مریمؑ و حواؑ شعار زینبؑ ہے
حیا کے ملک کی پرودیگار زینبؑ ہے



معجزے اب یہاں نہیں ہوتے
حادثے ہیں، کہاں نہیں ہوتے

جس طرف منزلوں نے ملنا ہو
راستے اب وہاں نہیں ہوتے

پیار بڑھتا رہے تو بہتر ہے
سلسلے رائیگاں نہیں ہوتے

خواب جلنے کی راکھ پلکوں پر
رتجگے بے نشاں نہیں ہوتے

ٹُوٹ جائے بھرم تو تب کہنا
آئینے کرچیاں نہیں ہوتے

اُن کو تکتے ہیں موند کر پلکیں
فاصلے درمیاں نہیں ہوتے



سورج سے جنگ کرنے کی بادل نے ٹھان لی
کہتے ہیں اِس جنوں ہی نے پھر اس کی جان لی

پھر عہد ہم سے کر کے نبھایا کسی کے ساتھ
اک بار پھر سے ہم نے مقدّر کی مان لی

صحرا میں چاروں اور نہ چھاؤں ملی ہمیں
تب تھک کے ہم نے دھوپ کی چادر ہی تان لی

قُدرت کی بانٹ ہوتی ہے کتنی عجیب سی
دل کو ملے ہیں تیر کسی نے کمان لی

اُس نے پلٹ کے دیکھا ہے جاتے ہوئے بتولؔ
لگتا ہے زندگی نے اچھوتی اُٹھان لی

مکالماتی غزل

پوچھا، بتاؤ زیست کا عنوان ہے کوئی؟
اُس نے بتایا، اب تو مری جان ہے کوئی

پوچھا، بتاؤ آئینہ حیران کیوں ہوا؟
اُس نے بتایا، دل کا جو مہمان ہے کوئی

میں نے کہا کہ قدر کرو تم کو دل دیا
اُس نے کہا کہ یہ بھلا احسان ہے کوئی

پوچھا، کسی کے ہجر کی دولت ملی تمھیں
بولا کہ دردِ دل سے بھی انجان ہے کوئی

پوچھا، پلک جھپکتے ہی منزل کہاں گئی
اُس نے کہا اسی لیے حیران ہے کوئی

میں نے جھٹک کے زُلف سے چہرہ چھُپا لیا
اُس نے کہا کہ قتل کا سامان ہے کوئی

○

خوابوں کو تصویر بنانا بھول گئے
رنگ بھی پھر ان میں بھر جانا بھول گئے

دُور کہیں جا بسنے والا لوٹ آتا
آنکھوں سے دہلیز سجانا بھول گئے

دامن دل سے آگ بُجھا بیٹھے لیکن
اپنے دونوں ہاتھ بچانا بھُول گئے

سارا آنچل بھیگا، پھیل گیا کاجل
بارش کو یہ بات بتانا بھُول گئے

چاہت میں تو انہونی، ہونی ٹھہری
پانی میں کیوں دیپ جلانا بھُول گئے

من کا سونا کُندن کر ڈالا لیکن
ماتھے پر سیندور لگانا بھُول گئے

خوشبوؤں کے ہاتھ کہاں تک دستک دیں
آشاؤں کا شہر بسانا بھُول گئے

رِم جھم رِم جھم گیت سُنایا ساون نے
بُوندوں کا ہم رقص چُرانا بھُول گئے

پھُولوں اور کلیوں کو نہیں بتلایا کچھ
خوشبو سے ہم راز چھپانا بھُول گئے

یہ تم نے کیا کیا مجھ کو......؟

یہ تم نے کیا کیا باتوں سے مجھ کو چھُو لیا جاناں!
تمہارے دھیمے لہجے نے مجھے مدہوش کر ڈالا
سماعت کے دریچے میں اُتارے ان گنت نغمے
کئی صدیوں سے جو چُپ تھے
جو میرے دل کے دروازے پہ زنگ آلود تالے تھے
انہیں توڑا،
مری آنکھوں سے آنکھوں کا یہ بندھن کس لیے جوڑا
خیالوں ہی خیالوں میں
لبوں کے سارے رنگوں کو چُرا ڈالا
مجھے اپنا بنا ڈالا
شرارت سے مری زلفوں کو اُلجھایا
دھنک کے سات رنگوں کو مرے چہرے پہ بکھرایا

سمٹ آیا زمانہ اُس گھڑی نقطے کی صورت میں
محبت آسماں کی حد سے بھی آگے نظر آئی
سمندر اس کے آگے ایک قطرہ سا لگا مجھ کو
یہ تم نے کیا کیا جاناں!
بھلا سوچو، کوئی ایسے بھی کرتا ہے
کہ اتنے فاصلے سے بند پلکوں کے جھروکوں سے صدا دے تو
پکار اُٹھے کسی کا دل
میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں
وہ جب چاہے گھڑی بھر میں
کسی مرمر کے بُت کے ساتھ لپٹے سارے پردوں کو گرا ڈالے
پھر اس پہ ہولے ہولے اپنے ہونٹوں سے کھلائے اس قدر غنچے
کہ مرمر کا وہ ٹھنڈا بت دہک اُٹھے
مہک اُٹھے
پھر اس کے سرد سینے میں سُلگ اُٹھیں کئی جذبے

وہ جذبے جو کلی کو پھول کرتے ہیں
وہ جذبے جو کسی کہسار میں بھی چھید کر ڈالیں
تو اس میں دودھ کی اور شہد کی نہریں رواں کر دیں
وہ سب جذبے بڑے قاتل بڑے سفاک ہوتے ہیں
یہ تم نے کیا کیا جاناں!
بنا سوچے بنا سمجھے مجھے کیا کر دیا تم نے
یہ سر سے پاؤں تک خوشبو سا مجھ کو یوں بنا ڈالا
بھلا کیوں وصل کا سپنا مجھے دن میں دکھا ڈالا
یہ تم نے کیا کیا مجھ کو —— یہ تم نے کیا کیا مجھ کو

ہماری ذات کے اندر بھی......

ہماری ذات کے اندر بھی کوئی ذات ہوتی ہے
جو تنہائی میں بھی تنہا ہمیں ہونے نہیں دیتی
ہم اس کو چُھو نہیں سکتے مگر ہر پل
ہمیں باور کراتی ہے
کہ کوئی ہے
کہ کوئی ہے جو اپنے خون کی گردش میں بہتا ہے
ہمارے ساتھ رہتا ہے

جو سارے موسموں کو بھی ہمارے ساتھ سہتا ہے
ہماری ذات کے اندر بھی کوئی ذات ہوتی ہے
جو اکثر نیند کے صحرا میں بھی سونے نہیں دیتی
ہم اپنی بے بسی پہ رونا چاہیں تو
ہمیں رونے نہیں دیتی
جو دُکھ ملتا ہے سینے میں
اسے کھونے نہیں دیتی
ہماری ذات کے اندر بھی کوئی ذات ہوتی ہے

کُتے

یہ دندناتے ہوئے سے کُتے
انہی کے ڈر سے
گھروں سے باہر نکلنے والی ہر ایک بیٹی، بہن کہ ماں ہو
قدم اُٹھاتے ہوئے جھجکتی ہے، سہم جاتی ہے
خوف کھاتی ہے، کانپتی ہے
خبر ہے اس کو ہر اک گلی میں، ہر اک نُکڑ پہ
ہر اک محلّے کے چوک پر یہ زبانیں باہر نکال کر اور

اپنے دانتوں کو کچکچا کر
اور اپنی آنکھوں میں مکروسی آرزو سجا کر
جو بھونکتے ہیں
یہ رال ٹپکا کے ماؤں بہنوں کو روکتے ہیں
اور ان کے آنچل کو قتل کرنے کا سوچتے ہیں
یہ کاٹ لیں تو
یہ کاٹ لیں تو کوئی بھی بیٹی، بہن کہ ماں ہو
نہ مانگے پانی، نہ مانگے پانی
یہ دندناتے ہوئے سے کُتے
یہ بھونکتے ہیں، یہ کاٹتے ہیں
جہاں بھی داؤ چلا ہے ان کا
وہاں وہاں زہر بانٹتے ہیں
ہر ایک بیٹی، بہن کہ ماں ہو دُعا ہے سب کی
خُدایا ان سے بچا کے رکھنا



راستے کی قید میں گُم کارواں ہونے کو ہے
اور مسافر بھولی بسری داستاں ہونے کو ہے

ظُلمتِ شب کس لیے چہروں پہ پھر مل دی گئی
لوگ کتنے خوش تھے قسمت مہرباں ہونے کو ہے

دُھوپ آنکھوں میں اُتر کر روح تک جُھلسا گئی
ہم نے تو سوچا تھا آنچل سائباں ہونے کو ہے

جب ہواؤں کی سُنو سرگوشیاں تو جان لو
اب کے کشتی کا مُخالف بادباں ہونے کو ہے

رات نے چادر سمیٹی اور ستارے چل دیئے
چاند کا چہرہ کسی پل بے نشاں ہونے کو ہے

استعارہ بن گیا ہے وصل گہری رات کا
اور اِس میں اک ستارہ کہکشاں ہونے کو ہے

سازِ دل کے تار اب تو ٹوٹنے کو ہیں بتولؔ
درد دھرتی سے نکل کر آسماں ہونے کو ہے



دھڑکن کو تیری یاد سے تحریک مل رہی ہے
چاہت اگر سزا ہے ہمیں ٹھیک مل رہی ہے

اُس در سے جو بھی لوٹ کے آیا تو رو پڑا وہ
لگتا ہے آنسوؤں کی وہاں بھیک مل رہی ہے

ہم نے تو پُل صراط کے بارے میں سن رکھا تھا
ہر راہ بال سے ہمیں باریک مل رہی ہے

شاید کسی بھی لمحے مقابل ہوں اُس کی گلیاں
جو دُور کی صدا تھی وہ نزدیک مل رہی ہے

جو جگمگا اُٹھی تھی تجھے دیکھ کر خوشی سے
مدّت سے راہ وہ ہمیں تاریک مل رہی ہے

مجھے اُس سے محبّت ہے

وہ کہتا تھا
تم آؤ شہر میرا غور سے' نزدیک سے دیکھو
یہاں کے لوگ اور ان کی ثقافت......اور
کسی کو پا کے کھونے کی حسیں لذّت
یہاں کا رہنا' بسنا' بولنا' ہنسنا
محبّت کے انوکھے رُوپ
ان کی چھاؤں ان کی دھوپ تم دیکھو
یہاں جذبے بہت سچّے' بہت اچھے بہت معصوم ہوتے ہیں
مرے دل نے کہا آؤ سمندر چُھو کے دیکھیں گے

وہاں جا کر لگا وہ شہر میرا ہے
وہاں ساحل بھی میرا اس پہ لکھے خواب میرے ہیں
سمندر کی سبھی موجوں پہ میرے عکس ٹھہرے ہیں
وہ سارے لوگ میرے ہیں سبھی مانوس چہرے ہیں
وہاں مٹی، ہوائیں، پھول، پتھر تک لگے اپنے
مگر اک اجنبی سی، دائمی دل کو کسک اُس شخص نے بخشی
جو اکثر تنگ کرتی ہے، جو مجھ سے جنگ کرتی ہے
بہت سوچا کہ ایسا کیوں ہوا، کیسے ہوا آخر
تو دل نے ہولے ہولے سے کہا یہ سب تو ہونا تھا
تمہیں اُس شخص سے ملنا، اُسے پانا تھا، کھونا تھا
ازل سے اس طرح ہوتا چلا آیا
انوکھا بھید ہے اس کو کسی نے کب، کہاں پایا
بس اتنی بات تم کو یاد رکھنی ہے
تمہیں اُس سے محبّت ہے

لگا چاروں طرف فطرت پکار اُٹھی
تمہیں اُس سے محبّت ہے، تمہیں اُس سے محبّت ہے
تمہیں اُس سے محبّت ہے ....
مرے دل نے مرے ہونٹوں نے بھی اقرار کی منزل کو چھو کے
کہہ دیا یکدم
مجھے اُس سے محبّت ہے، محبّت ہے، محبّت ہے

تُم......

تُم نے مجھے سُرخ گُلاب دیا تو میں روح تک مہک اُٹھی
آنکھیں ستارے بن گئیں
پلکیں سجدہ ریز ہو گئیں
اور چہرے پر دھنک بکھر بکھر گئی
تم نے کتنا قیمتی تحفہ دیا ہے
مارے خوشی کے لفظ ٹُوٹ ٹُوٹ کر لبوں کو چھُو سکے
لیکن، میں تو سب دوستوں کو یہی تحفہ دیتا ہوں
تُم نے کہا، تُم نے کہا اور میں نے سُن لیا

سی ایل آئی

ٹیلی فون کی گھنٹی کافی دیر تک شور مچاتی رہی
اور آخر کار خاموش ہو گئی
میں نے فون اٹینڈ نہیں کیا
کیوں......اس لیے کہ آج بھی سی، ایل، آئی تمہاری بجائے
کسی اور کا نمبر شو کر رہی تھی



صحرا میں جا کے گھر کا نشاں ڈھونڈتے رہے
جو جس جگہ نہیں تھا وہاں ڈھونڈتے رہے

چھاؤں کے وہ جلے ہوئے ہوں گے بیابان
دامن میں دھوپ کے جو اماں ڈھونڈتے رہے

ہم لوگ بھی عجیب ہیں کتنے جتن کے ساتھ
گُم ہو گیا یقیں تو گُماں ڈھونڈتے رہے

مُنصف کے فیصلے کو بدلنے کے واسطے
ہم اپنے حق میں ایک بیاں ڈھونڈتے رہے

جو دل کا خون کرنے کی نیت سے آئے تھے
بھولے پیار تھا کہاں ڈھونڈتے رہے

مات گہری تھی

مجھے شروع سے ہی پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو دیوانہ کر دیتی ہے
اور اُس کو نوٹوں کی مہک ایٹریکٹ کرتی ہے
ہم دونوں نے ساتھ چلنے کی
اپنی سی کوشش کر دیکھی
لیکن آخر کار وہی ہوا
نوٹوں کی خوشبو نے پھُولوں کی خوشبو کو مات دے دی۔



کبھی نہ ملنا بحال ہو گا کہا تھا تم سے
محبتوں کا زوال ہو گا کہا تھا تم سے

کسی کے چہرے پہ صبح ڈھونڈو کسی کو چاہو
وہاں ہمارا جمال ہو گا کہا تھا تم سے

ہمیں تو پہلے ہی زندگی ہے عذاب جیسی
تمہیں بھی جینا محال ہوگا کہا تھا تم سے

ہمیں بھُلانے کا فیصلہ کر لیا ہے تم نے
تمہیں بھی اِس کا ملال ہو گا کہا تھا تم سے

کہا تھا تم سے جہانِ دُشمن بنا ہے سارا
ہمارا کس کو خیال ہو گا کہا تھا تم سے

ہماری مُٹھی میں کوئی جُگنو یقین کا ہو
ہمیں وہ اک پل بھی سال ہوگا کہا تھا تم سے

یہ شہر سارا ہے آئینوں کا خیال رکھنا
سبھی میں ان دیکھا بال ہو گا کہا تھا تم سے

فراق آسیب بن کے آنکھوں میں آ بسا ہے
کہاں بھلا اب وصال ہو گا کہا تھا تم سے

تم آج ماہ و نجوم کو چھو رہے ہو لیکن
کمال کو بھی زوال ہو گا کہا تھا تم سے



پھول بکھرے گا تو بدنام بھی کر جائے گا
زرد رُت کو وہ سرِ عام بھی کر جائے گا

خوش گمانی کی کہاں حد تھی یہ سوچا ہی نہیں
وہ تو آغاز کو انجام بھی کر جائے گا

آج دل ہار گیا ہے جو مسافر اپنا
شہرِ جاں کل کو ترے نام بھی کر جائے گا

صبح کے بھولے میں یہ بات بُری لگتی ہے
لوٹ آئے گا مگر شام بھی کر جائے گا

اک تو تڑپائے گا آ کے وہ مجھے باتوں سے
اور بپا سینے میں کہرام بھی کر جائے گا

چاند آنکھوں کے جزیروں سے پرے رکھنا بتولؔ
یہ ترے خواب لبِ بام بھی کر جائے گا

خاص ہوتے ہیں

محبّت کرنے والوں کو کبھی تم عام مت سمجھو
کبھی بھی عام مت جانو
بھلے سے ہوں مگر ان کو کبھی بدنام مت جانو
محبّت کرنے والے زیست کا احساس ہوتے ہیں
بہت ہی خاص ہوتے ہیں

سمندر پُوچھ سکتا ہے

مسافر ریت پر کچھ لکھ رہا تھا
کیا لکھا اُس نے؟
کنارے پر کھڑا حیران سا کچھ سوچتا بھی تھا
بھلا کیا سوچتا تھا وہ؟
کسی کے ساتھ بھی جاؤ سمندر کی طرف جاناں!
تو اتنا ذہن میں رکھنا
سمندر پُوچھ سکتا ہے

ایش ٹرے

سگریٹ کا ایک کش لے کر اُس نے
اچانک ایش ٹرے میں سگریٹ سے راکھ جھاڑی
اور......اور پھر مجھ پر سوچتی سی
اچٹتی سی نظر ڈالی
لیکن میں
میں شاید ایش ٹرے میں پڑی راکھ سے نظر نہ ہٹا سکی

چار موسموں کا جُھوٹ

وہ کہتا تھا میں تم سے جھوٹ نہیں بولتا
ہمارا ساتھ چار موسموں پر محیط تھا
اور اس تمام عرصے میں وہ اس بات پر ڈٹا رہا
کہ وہ سچ بولتا ہے
لیکن اس تمام عرصے میں
اُس کی آنکھوں نے اُس کے لہجے کا ساتھ کبھی نہیں دیا

جانتے ہو تُم؟

تم مجھے ہمیشہ پھول سے تشبیہ دیا کرتے ہو نا؟
تم جانتے ہو پھول کیوں کھلتا ہے؟
نہیں......؟
اچھا چلو یہ بتاؤ
پھولوں کی مہک کا پھولوں کو کیا فائدہ؟
یہ بھی نہیں معلوم؟
تم نے کبھی صبح دم پھولوں کے چہرے اشکوں سے بھیگے دیکھے؟

اصل میں پھول اپنی بے بسی پہ روتا ہے
پھول کے پاس جو کچھ بھی ہے، دوسروں کے لیے ہے
وہ دوسروں کے لیے کھلتا ہے
اس کی مہک دوسروں کے لیے ہے
اور اس کی زندگی موت کی دستک ہے
یہ سب تم جانتے ہو......؟

○

کسی کے ہجر کا دل پر نشان باقی ہے
یقین کھو بھی گیا اب گُمان باقی ہے

وہ مجھ کو دیکھ کے چونکا تو میں نے ہنس کے کہا
وہ گھر نہیں رہا باقی، مکان باقی ہے

تمہارے سرد سے لہجے کے برف برف سے لفظ
وہ تیر کُھب گئے دل میں، کمان باقی ہے

وجود ریزوں میں تقسیم ہو گیا سارا
مگر انا کی وہ تنہا چٹان باقی ہے

نئے اُفق کی طرف اب نظر گئی بھی تو کیا
وہ پر کہاں ہیں کہاں وہ اُڑان باقی ہے

مرے خلاف گواہوں کو سن تو لے مُنصِف!
رہے خیال کہ میرا بیان باقی ہے

بہت کڑا تھا وہ لمحہ جدا ہوئے جس پل
عجب ہے پھر بھی میرے تن میں جان باقی ہے

نظر کو ایک ہی منظر کی جستجو ہے بتول
برائے دید تو سارا جہان باقی ہے



خواب ان پلکوں کے مہمان نہیں بن پائے
وہ مری زیست کا عنوان نہیں بن پائے

ایک شب چاند اُتر آیا تھا دھرتی پہ مگر
کچھ مدارات کے سامان نہیں بن پائے

اِلتفات آپ کا دیکھا تھا کسی غیر کے ساتھ
آنکھ رکھتے ہوئے انجان نہیں بن پائے

کتنا بے جان تعلق ہوا قائم تم سے
جان لے کر بھی جو تُم "جان" نہیں بن پائے



تُو نے جو خواب توڑ ڈالے تھے
میں نے مشکل سے وہ سنبھالے تھے

خواب، خوشبو، اُداسیاں، سپنے
یہ مری ذات کے حوالے تھے

اُس کو جلدی تھی، چل دیا ورنہ
کالے بادل تو ٹلنے والے تھے

اُن کے تیور بدل گئے کیسے
وہ تو دنیا بدلنے والے تھے

دوست ایسے خیال میں آئے
آستیں میں جو پلنے والے تھے

تخت کے ساتھ جو ملے ساتھی
بخت کے ساتھ ڈھلنے والے تھے

کوہکن کو یقیں تھا پتھر سے
نرم چشمے نکلنے والے تھے

ایک پل میں بدل گیا منظر
ہم ابھی آنکھ ملنے والے تھے



غم کی جاگیر کو کچھ اور بڑھا سکتے ہو
تم اگر چاہو مجھے چھوڑ کے جا سکتے ہو

خواب میں ساتھ تھے ہم، چاند مری مُٹھی میں
تم جو چاہو اسے تعبیر بنا سکتے ہو

آئینہ ٹُوٹ کے حصّوں میں بٹا ہے کیسے
میں ہوں خاموش اگر، تم تو بتا سکتے ہو

عشق ہر ایک رکاوٹ کو مٹا دیتا ہے
آسماں تک کوئی دیوار اُٹھا سکتے ہو ۔

اِس سے حاصل تو نہیں کچھ بھی مگر چاہو تو
عدل کے شہر کی زنجیر ہلا سکتے ہو

ہجر سرطان کی صُورت میں پنپتا ہو جہاں
خون میں وصل کی تصویر سجا سکتے ہو؟

جُدائی خواب بُنتی ہے

وہ آئے گا، وہ آئے گا
اُسے آنے کی خواہش ہے
مگر مجبوریوں کے جال میں کچھ یوں اُلجھ بیٹھا
کہ واپس آ نہیں پایا
یہ ممکن ہے وہ ہر پل یاد کرتا ہو
مجھے خوابوں میں تکتا ہو
مگر ملنے میں ہوں دُشواریاں شاید
بہت ممکن ہے اک دن ہر رکاوٹ توڑ کر آئے
مجھے آ کر وہ اپنائے، مری پلکوں میں چُھپ جائے
مرے دل پر لکھے ہر اک گِلے کو اپنی چاہت سے مٹا ڈالے
مجھے اپنا بنا ڈالے
جُدائی خواب بُنتی ہے

...... پہلے کہہ دیا ہوتا

کہا تم نے ''مجھے تم سے محبّت ہو نہیں سکتی''
یہی کہنا تھا تو آغاز میں ہی کہہ دیا ہوتا
نہ یہ کہتے ہوئے آنکھیں چُراتے تم
نہ میرے دل میں اتنا بے تحاشا درد ہی اُٹھتا
نہ میری بے بسی کا امتحاں ایسے لیا ہوتا
اگر تم کو یہی کہنا تھا پہلے کہہ دیا ہوتا

ڈائناسور

سارے مرد ایک جیسے نہیں ہوتے
ان میں کچھ کمیٹڈ بھی ہوتے ہیں
لیکن سُنا ہے اب یہ قسم نایاب ہوگئی ہے
جیسے ''ڈائناسور''

سَودا

اُس نے مجھے ان گنت خوابوں کی سوغات بخشی
وصل کے خواب، پیار کے خواب، اقرار کے خواب
خوشبو کے خواب، کلیوں کے خواب
پھولوں کے اور رنگین گلیوں کے خواب
مگر ساتھ ہی اُس نے مجھ سے قوتِ بصارت چھین لی
اور جانتے ہو کیا کہا؟
اُس نے کہا اب حساب برابر ہوگیا ہے
تم ہی بتاؤ کیا واقعی حساب برابر ہوگیا؟

تکمیلِ آدم

گھر کے آنگن کی فضا میں تھا دھواں پھیلا ہوا
وہ دھواں جو آنکھ میں گہری اُداسی بھر گیا
جو حقیقت کو اچانک خواب جیسا کر گیا
آج آدم کس قدر تنہا سا تھا، بیزار تھا
دل کا کھِلتا پھُول تک اس کی نظر میں خار تھا
خالی خالی سی نظر سے اس نے دیکھا چار سو
اور پُکارا یک بیک

ہے کوئی ساتھی، کوئی ہمدم کوئی بھی راز دار
جس کو پا کر بے قراری کو بھی آ جائے قرار
ہے اگر، تو ہے کہاں، وہ ہے کہاں، وہ ہے کہاں؟
یہ سُنی اس نے صدا جو سب کی سُنتا ہے سدا
جو ہمارا ہے تمہارا ہے سبھی کا ہے خدا
اُس نے سب پھولوں سے رنگوں کو لیا، خوشبو چُنی
تاب سچّے موتیوں سے لی، ستاروں سے مہک
چاند کی روپہلی کرنیں اور کلیوں سے چٹک
لے کے ان میں سارے جذبوں کو ملایا پیار سے
روپ پھر عورت کا اس کو اپنے ہاتھوں سے دیا
پھُول کی پتّی کے جیسا دل عطا اس کو کیا
جب مکمّل ہو گیا شہکار تو رب نے اسے
دے کے آدم کو یہ تحفہ بے نیازی سے کہا
لو، تمہارے خواب کی تعبیر تم کو مل گئی

پا کے حوا کو لگا آدم کو، پائے دو جہاں
تب حسیں دھرتی لگی، اچھا لگا تب آسماں
جو اکیلے پن کا سورج تھا اچانک ڈھل گیا
''آج'' پھر سے بس گیا اور وہ سسکتا ''کل'' گیا
کربِ تنہائی سے آدم کو بچایا اور آج
لاکھوں بیٹوں سے بچاتی پھر رہی ہے آبرو
دے کے اوروں کو اماں خود بے اماں کیوں ہوگئی؟
پیار کا بن کر نشاں خود بے نشاں کیوں ہوگئی
کوئی بتلائے یہ سب اس کو ہے سہنا کب تلک
ظلم کے سیلاب میں اس کو ہے بہنا کب تلک
کون اس کے سر کی چادر کو بچانے آئے گا
امن کی وادی میں واپس کون اس کو لائے گا؟

شوکیس سے جھانکتی گُڑیا

کبھی ہم پھُول ہوتے تھے
گُلابی، نرم و نازک، اوس میں بھیگا
مہکتا، مسکراتا، خوشبوؤں کو چومنے والا
محبّت کرنے والے جُھوم اُٹھتے جب ہمیں پاتے
ہمیں پوروں سے چُھوکر روح تک محسوس کرتے تھے
کئی کالز، کئی آنکھیں، انوکھے وصل کے لمحے
ہمارے منتظر ہوتے

ہمارے حُسن کے چرچے گلی کُوچوں میں ہوتے تھے

اداؤں کے سنہرے تیر پلکوں میں پروتے تھے

ہوئی مدت کہ ہم پت جھڑ کے پیروں کی بنے ہیں دُھول

لیکن یہ حقیقت ہے

کبھی ہم پھُول ہوتے تھے

(سارہ شگفتہ کی نذر)

آٹوگراف

وہ اکثر مجھ سے کہا کرتا کہ میں

تمہاری شہرت سے بالکل بھی خائف نہیں ہوں

میں بہت خوش ہوتا ہوں

تمہاری کامیابیوں کو دیکھ کر

لیکن، لیکن جب تم کسی اجنبی کو

کسی بھی اجنبی کو آٹوگراف دیتی ہو تو......

تو میں ڈر جاتا ہوں

کیونکہ

میں نے بھی تو......

میں نے بھی تو آغاز میں تم سے آٹوگراف ہی لیا تھا



خوابوں کو جاگیر بنانا بھُول گئے
اس پہ ستم تعبیر بنانا بھُول گئے

پیار کے زہر کو چکھ لینے کے بعد کھُلا
ہم اس کو اکسیر بنانا بھُول گئے

چھوڑ گیا وہ جس پل ہم کو تب جانا
چاہت کو زنجیر بنانا بھُول گئے

ایک دُعا کی صُورت تم کو چاہا تھا
اور اس میں تاثیر بنانا بھُول گیا

تم کو پلکوں بیچ چھُپانا حسرت تھی
تم کو پلکوں بیچ چھُپانا بھُول گئے

نام تمہارا ہاتھ پہ لکھنا یاد رہا
ہم اس کو تقدیر بنانا بھُول گئے



ساتھ کشتی کے اچانک بادباں بھی جل اُٹھا
پانیوں میں ڈُوبتا سا یہ مکاں بھی جل اُٹھا

جس پرِندے نے کیا تعمیر دے کر خونِ دل
بجلیوں کی زد میں اُس کا آشیاں بھی جل اُٹھا

میرا چہرہ ماہتابی دیکھ کر سُورج جلا
اور حد ہے چاند جیسا رازداں بھی جل اُٹھا

شبِ فراق اگر مختصر بنانا تھی
وصال جگنو کا مُٹھی میں نور رکھ لیتے

○

عشق پاگل کر گیا تو کیا کرو گے سوچ لو
سانحہ ایسا ہوا تو کیا کرو گے سوچ لو

ساتھ اس کے ہر قدم چلنے کی عادت کس لیے
چھوڑ کر وہ چل دیا تو کیا کرو گے سوچ لو

شور باہر ہے ابھی اِس واسطے خاموش ہو
شور اندر سے اُٹھا تو کیا کرو گے سوچ لو

کر رہے ہو گھر نیا تعمیر اُڑتی ریت پر
یہ اچانک گِر گیا تو کیا کرو گے سوچ لو

لوٹ کر جانا تو ہے آخر سبھی کو اُس طرف
سو برس بھی جی لیا تو کیا کرو گے سوچ لو

دھڑکنیں مدھم ہوئی جاتی ہیں اے چارہ گرو!
چاک دل کا سِل گیا تو کیا کرو گے سوچ لو

بند پلکوں میں ادھورے خواب بُنتے ہو مگر
کوئی اِن میں آ بسا تو کیا کرو گے سوچ لو

در، دریچے سب مقفّل کر کے بیٹھے ہو مگر
وہ اچانک آ گیا تو کیا کرو گے سوچ لو

ڈوبتے سورج کا چہرہ اور اُس کا نقشِ پا
جب یہ منظر گُم ہوا تو کیا کرو گے سوچ لو

ٹریپ

کل شب فون کیا جب تم نے
ہولے ہولے سے یُوں بولے
جاناں! سُن لو
تم نے آ کر، چاہت کا احساس دلا کر
میرے دل کو جیت لیا ہے
اتنی جلدی واپس کیوں تم لوٹ گئی ہو
پلٹ کے ایک نظر بھی نہ دیکھا
اُس کی جانب
آج تلک جو دیکھ رہا ہے راہ تمہاری
جس کو سچ مچ مار گئی ہے چاہ تمہاری

سمندر پوچھتا ہوگا

مسافر لوٹ کر آئے گا
کب آئے گا بتلاؤ
پلٹ کر اک نظر دیکھا تھا اُس نے، کیسے دیکھا تھا؟
گلاب اُس کو دیا تم نے کہ مُٹھی ریت سے بھر دی
کوئی وعدہ لیا اُس سے کہ پیماں خود کیا کوئی
بتاؤ الوداع اُس کو کہا تو اس کے آنچل سے
کوئی پیارا سا جملہ ہولے ہولے تم نے باندھا تھا؟
اور اُس کے من میں جھانکا تھا
بتاؤ اُس کی پلکوں پر کوئی بھی خواب ٹانکا تھا؟
سمندر پوچھتا ہوگا.....

بے درد لمحہ

بہت بے درد لمحہ تھا
ہمارے درمیاں آ کر نہیں پل بھر رُکا جاناں!
نہ ہم دونوں سے کچھ پوچھا
نہ اس نے کچھ بھی بتلایا
فقط چُھو کر ہمیں گُزرا
لہو میں سرسراہٹ سی
زباں میں لڑکھڑاہٹ سی
عطا کر کے بُھلا بیٹھا
بہت بیدرد لمحہ تھا
بہت ہی یاد آتا ہے

انوکھا موڑ

یہی وہ موڑ ہے جاناں
جدھر آ کر ہمیشہ قافلے لُٹتے ہوئے دیکھے
یقیں مٹتے ہوئے دیکھے
ستاروں نے' بہاروں نے زمیں اور آسماں نے بھی یہ منظ
بار ہا دیکھا
یہی وہ موڑ ہے جاناں!
جہاں ہم کو بچھڑنا ہے

بظاہر مُسکرا کر' خوش نظر آ کر یہ کہنا ہے
یہ کہنا ہے کہ جو جاتا ہوا پل ہے
کبھی واپس نہیں آتا
کوئی گزرا ہوا "کل" "آج" ہرگز بن نہیں پاتا
نئے رستے' نئی منزل' نئی چاہت' نئی خوشیاں
ہماری منتظر ہوں گی
اب اگلے موڑ پر پھر سے کسی سے پیار کرنا ہے
اور اس سے پیار کا اقرار کرنا ہے
یہی ہر بار کرنا ہے
سُنو جاناں! یہاں پر معجزے ہوتے تو ہیں لیکن کتابوں میں
اور ان بے درد خوابوں میں
تمہیں معلوم ہوگا خواب تو بس خواب ہوتے ہیں
ہماری آنکھ کی پُتلی میں بس اک رات کے مہمان ہوتے ہیں
بلائے جان ہوتے ہیں

چلو اس بحث کو چھوڑو
تو ہاں کیا کہہ رہی تھی میں؟
مجھے یاد آ گیا میں کہہ رہی تھی یہ
یہی وہ موڑ ہے جاناں!
جہاں ہم کو بچھڑنا ہے
یہ شہرِ دل اُجڑنا ہے



موجوں میں اضطراب کا موسم ٹھہر گیا
کشتی کے پیچ و تاب کا موسم ٹھہر گیا

اُس نے گُلاب چُھو کے جو دیکھا مری طرف
ایسے لگا گُلاب کا موسم ٹھہر گیا

سوئے تو شب کے قافلے آنکھوں میں چل پڑے
جاگے تو جیسے خواب کا موسم ٹھہر گیا

پل بھر مرے سوال کا موسم نہیں رُکا
لیکن ترے جواب کا موسم ٹھہر گیا

اُس نے کہا کہ آنکھ میں گہرا غبار کیوں؟
میں نے کہا، عذاب کا موسم ٹھہر گیا

سورج کی اوڑھنی مجھے چُبھتی رہی سدا
سر پر ترے سحاب کا موسم ٹھہر گیا

صحرا میں وہ سراب کی صُورت ملا بتولؔ
پھر یُوں ہوا سراب کا موسم ٹھہر گیا



وفا کا پھیلا ہوا سلسلہ بدل ڈالوں
میں چاہتی ہوں کہ اب راستہ بدل ڈالوں

قلم کو توڑ کے اتنے سکون سے بھی نہ بیٹھ
میں جب بھی چاہوں ترا فیصلہ بدل ڈالوں

ذرا سا مجھ کو اگر اختیار مل جائے
محبتوں کا ہر اک ضابطہ بدل ڈالوں

خوشی کی اِن میں ذرا سی جھلک نہیں ملتی
میں سوچتی ہوں ہر اک واقعہ بدل ڈالوں

○

نیلا مرا وجود گھڑی بھر میں کر گیا
وہ زہر کی طرح مرے دل میں اُتر گیا

پلکیں لرز کے رہ گئیں اور دیپ بُجھ گئے
الزام اب کی بار بھی آندھی کے سر گیا

اب کس لیے سنبھال کے رکھوں بصارتیں
آنکھوں سے خواب چھین کے جب خواب گر گیا

اُس سے بچھڑ کے دل کا ہوا ہے عجیب حال
پانے کی آرزو گئی، کھونے کا ڈر گیا

جب موسموں نے پھر سے بغاوت کی ٹھان لی
ٹہنی پہ پھول کھلنے سے پہلے بکھر گیا

بہتر ہے خود رفو گری سیکھوں کہ آج تو
گھاؤ کھُلے ہی چھوڑ کے وہ چارہ گر گیا

اُس پر یقیں بحال ہوا تو وہ ایک دم
اقرار کے مقام پہ آ کر مُکر گیا

آنکھوں سے نیند، دل سے سکوں ہو گیا جدا
لگتا ہے اپنے ساتھ کوئی ہاتھ کر گیا

سُورج نے ساتھ چھوڑا تو دیکھا پلٹ کے تب
سوچا، جو ساتھ چلتا تھا سایہ کدھر گیا

خوف

ترے لہجے سے آخرش ہم کو
یہ بھی احساس ہو گیا جاناں!
دل کو جوگی بنا کے چھوڑے گا
پیار روگی بنا کے چھوڑے گا

بُھلا دینا ضروری ہو گیا تھا

تری بابت بہت سے لوگ آ کر پوچھتے ہیں
تو ہی بتلا وضاحت کیا کروں میں
کہوں گی کچھ تو کچھ سمجھیں گے سارے
انہیں اس طرح کے حالات سے کب واسطہ ہوگا
بہت سوچا
بہت سوچا تو تب جا کر کہیں سوچوں کے گنبد میں
یہی جملہ بہت ہی دیر تک گونجا
جواب ہر پوچھنے والے کو میں بتلاؤں گی جاناں!
ذرا سی بے نیازی سے
مرے حالات ایسے تھے

کہ ان حالات میں ہر ایک جذبے کو
بُھلا دینا ضروری ہو گیا تھا
اور اُس کو یاد رکھنے کے لیے اُس کو
بُھلا دینا ضروری ہو گیا تھا

وفا انجام تک پہنچی

یقیں کی صبحوں میں اُس شخص نے آ کر
بہت سے بے یقینی کے اندھیرے گھول ڈالے تھے
ہمارے واسطے سب واپسی کے در
اچانک کھول ڈالے تھے
کہ یہ سب اُس کی فطرت تھی
مگر اس کو بُھلا دینا ہمارے بس سے باہر ہے
سُنو!
سب من کی آشاؤں کو ہم نے راکھ کر ڈالا

جو پلکوں پر لرزتی تھیں، جو ہم کو تنگ کرتی تھیں
چلو چھوڑو یہ سب ہونا ہی تھا اک دن
ہمیشہ کی طرح چاہت کا سورج شام تک پہنچا
وفا انجام تک پہنچی

تُو مجھے اب بھی یاد آتا ہے

اب تو تنہائی میں بھی نام ترا
اپنے ہونٹوں پہ میں نہیں لاتی
نہ ترے ذکر پر کبھی چونکی
نہ بہانے سے بات کی تیری
دل ہی دل میں بھی تجھ کو دھڑکن نے
شاذ و نادر ہی اب پُکارا ہے
مری آنکھوں کے بے قرار دیے

اب ترستے نہیں جھلک کو تری
بند پلکوں پہ بھی ترے سپنے
دستکیں دے کے جا چُکے کب کے
راکھ اُڑتی ہے اب تو یادوں کی
اب تو تجھ کو بُھلا دیا جاناں!
کیوں مگر آئینہ یہ کہتا ہے
تُو مجھے اب بھی یاد آتا ہے



خوابوں کا جو شہر بسایا دیکھو تم کو یاد رہے
اور اسے پھولوں سے سجایا دیکھو تم کو یاد رہے

پہلے پلکیں چُھو کر تم نے میٹھی نیند کی لوری دی
پھر آنکھوں میں خواب جگایا دیکھو تم کو یاد رہے

ریت پہ اک چھوٹا سا گھروندہ ہم نے بنایا ہاتھوں سے
پھر اس میں اک دیپ جلایا دیکھو تم کو یاد رہے

دل کی بازی میں دونوں نے اپنا حصّہ ڈال دیا
کس نے ہے اپنا آپ گنوایا دیکھو تم کو یاد رہے

پیار کے کاروبار میں ساری خوشیاں تمہارے ہاتھ رہیں
میں نے تو بس درد کمایا دیکھو تم کو یاد رہے

کلیوں کو شرما جاتی ہے بادِ صبا کی سرگوشی
راز جو آج تمہیں بتلایا' دیکھو تم کو یاد رہے



نیند کے شہر کو جاتے ہیں تو تھک جاتے ہیں
خواب کا بوجھ اٹھاتے ہیں تو تھک جاتے ہیں

کس طرح پلکیں اُٹھا کر تری جانب دیکھیں
ہم تو پلکوں کو گِراتے ہیں تو تھک جاتے ہیں

پوچھیئے ہم سے دل و جاں ہوئے زخمی جن کے
آپ تو تیر چلاتے ہیں تو تھک جاتے ہیں

لوٹ آئے گا مسافر کوئی اُمّید نہیں
اِس لیے دیپ جلاتے ہیں تو تھک جاتے ہیں

اُن کی محفل کی طرف کس طرح جائیں کہ یہاں
دھوپ سے سائے میں آتے ہیں تو تھک جاتے ہیں

اب کسی اور اُفُق پر ہی چمکتا ہے، وہ چاند
خود سے یہ بات چُھپاتے ہیں تو تھک جاتے ہیں

تُو نے کیا بوجھ بنا کر ہمیں بھیجا ہے گُلاب
اِس کی خوشبو کو بھی پاتے ہیں تو تھک جاتے ہیں

لے کے جائیں جو کسی کو نئی منزل کی طرف
راستے لوٹ کے آتے ہیں تو تھک جاتے ہیں

یہ تغیر ہے زمانے کا کہ کلیوں کو بتول
رازِ دل بھنورے سناتے ہیں تو تھک جاتے ہیں



چاند مٹھی میں چھپانے کا کبھی سوچا نہ تھا
روشنی کے شہر جانے کا کبھی سوچا نہ تھا

اُن کی آنکھوں میں لرزتا ہے ہمارا عکس کیوں
پانیوں پہ گھر بنانے کا کبھی سوچا نہ تھا

آپ کی جانب سے آئے تو اُٹھا کر رکھ لیے
پتھروں سے گھر سجانے کا کبھی سوچا نہ تھا

آستاں تم نے بدل ڈالا وگرنہ ہم نے تو
سنگِ در سے سر اُٹھانے کا کبھی سوچا نہ تھا

دل گنوا بیٹھے تو تب جا کر کہیں ہم پر کُھلا
تیر کا سوچا نشانے کا کبھی سوچا نہ تھا



اب تمہارے لوٹ آنے کا کوئی امکاں نہیں
خوشبوؤں سے گھر بسانے کا کوئی امکاں نہیں

یُوں سرِ مژگاں ستارے جل بُجھے ہیں اس لیے
مانگ میں ان کو سجانے کا کوئی امکاں نہیں

اُس نے جب تجدید کا پوچھا تو میں نے یہ کہا
چوٹ پر اب چوٹ کھانے کا کوئی امکاں نہیں

ہو چکے سب در مقفّل گُل ہوئے سارے چراغ
اِس گلی میں اُس کے آنے کا کوئی امکاں نہیں

گھور تاریکی میں اک سورج چمک اُٹھنے کو ہے
اور اِس کے ڈُوب جانے کا کوئی امکاں نہیں



هجر زنجیر اگر ہوتا تو کٹ سکتا تھا
وصل آنکھوں کے جزیروں میں سمٹ سکتا تھا

تُو نے منزل کو بدلنے میں بہت جلدی کی
ورنہ طوفان تری راہ سے ہٹ سکتا تھا

بڑھ کے دیوار جو خود تھام نہ لیتی اس کو
آئینہ آج تو سو ٹکڑوں میں بٹ سکتا تھا

صبح دم ریت سی آنکھوں میں کھٹکتی ہے سدا
خواب کا عکس تو خوشبو سے بھی اٹ سکتا تھا

تُو نے ساحل سے پلٹ کر نہیں دیکھا ورنہ
یہ سمندر ترے قدموں سے لپٹ سکتا تھا

کس طرح رات گزرتی تری یادوں کے بغیر
دن تو دنیا کے کئی کاموں میں کٹ سکتا تھا

چاند کی کرنیں مرے گھر کا پتہ بُھول گئیں
ورنہ یہ گھور اندھیرا تو سمٹ سکتا تھا

پیش کرتا کوئی بازار میں چاہت کو بتولؔ
مول ہیروں کا بھی اس سودے میں گھٹ سکتا تھا

خواب مت بُننا

کبھی تم خواب مت بُننا
کہ اکثر خواب بُنتے لوگ خود جب خواب بنتے ہیں
بہت تکلیف ہوتی ہے
سُنا ہے خواب کی دھرتی بہت بنجر بہت پتھریلی ہوتی ہے
سُلگتی، بین کرتی، درد کی سرگوشیاں کرتی
عجب ویران وادی ہے
بہت انجان وادی ہے
یہ ممکن ہی نہیں جا کر وہاں بسنا
کسی کا بھی گلابوں کی مہک چُننا
کبھی تم خواب مت بُننا

ہتھیلیاں بولتی ہیں

ہتھیلیوں کو کبھی کھول کر بھی دیکھا کرو
کہ ان میں جال لکیروں کا بولتا کیا ہے
کوئی لکیر اُجالے کو ساتھ لاتی ہے
کوئی لکیر اندھیرے میں ڈُوب جاتی ہے
کوئی لکیر مہکتا ہوا گُلاب لگے
کسی لکیر پہ تعبیر بن کے خواب لگے
کہیں ہے چاند نمایاں، کہیں ہے زیرِ نقاب
فقط ہتھیلی میں ملتے ہیں سیکڑوں ہی سراب
کہیں سوال ہیں بکھرے کہیں ہیں ان کے جواب
کہیں وصال کے لمحے کہیں ہیں اور عذاب
سپرد یوں نہ ہواؤں کے اپنی ریکھا کرو
ہتھیلیوں کو کبھی کھول کر بھی دیکھا کرو

سرطان

اللہ رکھی جوانی میں بیوہ ہوگئی تو
سارے گاؤں کے مردوں نے متفقہ رائے دے دی
اللہ رکھی اب منہ پھٹ، بے لحاظ اور بے مروّت ہوگئی ہے
شاید اس پر چڑیلوں نے قبضہ کرلیا ہے
لیکن اللہ رکھی کی رائے مختلف تھی
اس کے خیال میں اس کے ''مرد کے سوتے ہی گاؤں کے
سارے ''مرد'' جاگ اُٹھے تھے
اور ان کو آنکھوں، دل اور دماغ کا سرطان ہوگیا تھا

خوابِ عذاب

خواب میں پہلے بھی دیکھا کرتی تھی
خواب میں اب بھی دیکھتی ہوں
فرق صرف اتنا ہے
پہلے خوابوں میں موسمِ گُل ٹھہر گیا تھا
اور اب
اور اب زرد رُت نے ایسے ڈیرے ڈالے ہیں
کہ واپسی کا راستہ ہی بھول گئی

آئینہ

کہتے ہیں آئینہ وہی کچھ دکھاتا ہے جو......
جو آئینے کو دکھایا جائے
لیکن آئینہ کبھی کبھی دھوکا بھی کھا جاتا ہے
آئینہ اس وقت دھوکا کھاتا ہے جب
کوئی چہرے پر چہرہ سجا کر آئینے میں جھانکے
دراصل اس لمحے اس شخص کے چہرے کی نفی ہو جاتی ہے
وہ شخص جب میرے سامنے آیا تو میں نے دیکھا
اُس کا چہرہ منفی ہو چکا تھا
آئینہ اس مرتبہ پھر دھوکا کھا گیا

کھلونے

شہر کے مصروف ترین ریستوران کے اوپن ائیر میں
بیٹھا Couple کھانے میں مصروف تھا
فاصلے پر بیٹھا کُتا انہیں مسلسل دیکھ رہا تھا
اچانک لڑکی نے چکن پیس کُتے کی طرف اُچھال دیا
کُتا لپکا لیکن اس سے پہلے
کتے کے قریب کھڑے بھکاری بچے نے چکن پیس اُچک لیا
بچہ جلدی جلدی بُھوک مٹانے لگا
کُتے کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی
اور......اور وہ Couple اس صورتِ حال کو انجوائے کر رہا تھا



اک نظر دیکھ لیں جو اس کو مریض
سانس ان کی بحال ہو جائے
ہے مسیحا وہی زمانے میں
وہ جو عیسیٰ مثال ہو جائے



ملنے کی دیر تھی نہ بچھڑنے کی دیر تھی
یہ تو بدن سے جان نکلنے کی دیر تھی

خوشبو کا رُوپ راکھ کی صُورت بکھر گیا
اک پُھول جیسے خواب کے جلنے کی دیر تھی

کلیاں حیا کے بوجھ سے جُھک کر سمٹ گئیں
بادِ صبا کے آج تو چلنے کی دیر تھی

سارا وجود ہو گیا پتھر کا اُس گھڑی
احساس کے نگر سے نکلنے کی دیر تھی

آنکھوں میں جیسے نُور کا سیلاب آ گیا
پلکوں پہ کہکشاں کے بکھرنے کی دیر تھی

سب آندھیوں نے اس کو بُجھانے کی ٹھان لی
مٹی کے ایک دیپ کے جلنے کی دیر تھی

سارے کا سارا شہر ہی انجان ہو گیا
اک شخص کے نگاہ بدلنے کی دیر تھی

سب منظروں کو ڈُوب ہی جانا پڑا بتولؔ
موجوں میں اِضطراب اُبھرنے کی دیر تھی



جُدائی کربلا جیسی
محبّت ہے خُدا جیسی

جُدائی تیرگی سی ہے
محبّت ہے حنا جیسی

جُدائی تو ریاضت ہے
محبّت ہے دُعا جیسی

جُدائی تو جفا خُو ہے
محبّت ہے وفا جیسی

جدائی بار کلیوں پر
محبّت ہے صبا جیسی

جُدائی بے قراری ہے
محبت ہے دوا جیسی

جُدائی ایک سنّاٹا
محبّت ہے صدا جیسی

جُدائی دھوپ کا پرتو
محبّت ہے گھٹا جیسی

جُدائی خواب چھُونے کا
محبّت ہے حیا جیسی

جُدائی آگ برسائے
محبّت ہے ردا جیسی

جُدائی رنگ بدلائے
محبّت ہے سدا جیسی

مجھے اب خواب سے تعبیر کر ڈالو

کئی برسوں سے جس پل کو
میں دل کی جھیل کی تہہ میں
سُلا کے بھول بیٹھی تھی
وہی پل جاگ اُٹھا تو، کنول بن کر چمک اُٹھا
میں چونک اُٹھی کہ یہ سب کس طرح سے ہو گیا یک دم
وہ پل جاگا تو جیسے خون کی ساری ہی شریانیں
کسی نے کھینچ کے رکھ دیں
لگا پانی کا رستہ بھول کر مچھلی نے گویا چُن لیا صحرا
بغاوت کا ارادہ کر لیا سانسوں کے طوفان نے
یہ دھڑکن گنگنا اُٹھی
لگا پیروں سے لے کے سر تلک شُعلے بھڑک اُٹھے
لہو کی ساری بوندوں نے سُلگنے کی قسم کھا لی
پگھلتا ہی گیا جذبوں کا سونا موم کی صُورت
اِن آنکھوں میں محبّت کے ہزاروں دیپ جل اُٹھے
مری چُندھیا گئی پلکیں
تھکا ماندہ نظر آیا فلک کا چاند آخر کار
ستارے پڑ گئے مدہم
سُنو! اک بات مانو گے؟
تم اپنی ساری چاہت کو میری جاگیر کر ڈالو
وفاؤں میں مجھے پیروں کی تم زنجیر کر ڈالو
مجھے اب خواب سے تعبیر کر ڈالو

اپنی آنکھیں بھول نہ جانا

آنکھوں کے اس شہر میں ڈھونڈو
اُن آنکھوں کو
جن میں عکس تمہارا جاگے
جھلمل چاند، ستارا جاگے
جن میں سچّے پیار کا سچّا دیپ ہو روشن
پور پور میں نور اُتارے جن کا درشن
آنکھوں کے اس شہر میں ڈھونڈو
شاید تم کو مل ہی جائیں وہ آنکھیں بھی......
لیکن اتنا دھیان میں رکھنا
اُن کی کھوج میں اپنی آنکھیں بھول نہ جانا

کچے رنگ

تتلیوں کے رنگ کچے ہوتے ہیں
اسی لیے وہ چھُونے والوں کی اُنگلیوں کی پوروں کو
دھنک رنگ دان کر دیتی ہیں
لیکن، لیکن تتلیوں کی محبت لازوال ہوتی ہے
یہ بات کہتے ہوئے لڑکی نے اپنی ہتھیلیوں کی جانب دیکھا
وہاں کوئی رنگ نہیں تھا
اُس کی گُفتگو سننے والے لڑکے کی اُنگلیوں کی پوروں پر
دھنک رنگ بکھرا ہوا تھا

سُنو......

تم سے مجھ کو فقط یہ کہنا ہے
میرے چہرے پہ رنگ بکھرا کر
میری آنکھوں کو خواب دِکھلا کر
چُھو کے باتوں سے میری دھڑکن کو
مرے دامن میں کہکشاں بھر کے
مرے سر پر یقین کا آنچل
ڈال کر بے وفا نہ ہو جانا
پھر سے مجھ سے جُدا نہ ہو جانا

میں نے اچانک پُوچھا

بارش کا پانی گُنگناتا ہے
دریاؤں کا پانی شور مچاتا ہے
سمندر کا پانی اپنی جانب بُلاتا ہے
اور سیلاب کا پانی ڈراتا ہے
یہ گفتگو کرنے والا شخص کچھ دیر کے لیے خاموش ہوا
تو میں نے اچانک پوچھا
تم نے آنکھوں کو لہو کرنے والے پانی کی بات تو کچھ بتایا ہی نہیں

اُس نے مجھ پر سوچتی سی نظر ڈالی
اور قدرے توقّف سے بولا
کچھ باتیں بتائی نہیں جاتیں
یہ کہہ کر وہ چل دیا
اور، اور میں نے ہتھیلیوں سے آنکھوں کو ڈھانپ لیا

چلو اس شرط پر......

چلو اِس شرط پر ہم پیار کا آغاز کرتے ہیں
اگر تم منحرف ہو جاؤ چاہت سے، جزا پاؤ
مگر یہ جُرم سرزد ہو کبھی مجُھ سے
تو میرے ہاتھ سے جیون کی ریکھاؤں مٹے
اِس کا نشاں تک بے نشاں ٹھہرے
دل و جاں خاک ہو جائیں
یہ آنکھیں راکھ ہو جائیں

کوٹھیوں میں کام کرنے والی مائیاں

بڑی حساس ہوتی ہیں
بہت سے راز ان کی آنکھ کی پُتلی کے قیدی ہیں
سماعت کے دریچوں کو کُھلا رکھتی ہیں یہ ہر پل
بہت ہی راز داری سے
کئی رازوں کو لے جا کر ضرورت مند لوگوں تک
یہ اکثر سرخرو ہوتی ہیں اور اک ولولے کے ساتھ
پھر سے راز پانے کو بہت ہی مستعد اور باخبر
مصروف ہوتی ہیں
کہ ان کو بھی تو اپنا گھر چلانا ہے
نہیں بچوں کو روٹی بھی کھلانا ہے

اعتبار ٹُوٹا ہے

زندگی کی راہوں میں
کوئی یاد جب آئے
تم اُسے بھُلا دینا
خواب آ کے پلکوں پر
بھیگ بھیگ سا جائے
اس کو اپنے آنچل سے
ایک دم مٹا دینا
ورنہ لوگ سمجھیں گے
کوئی تم سے رُوٹھا ہے
اعتبار ٹُوٹا ہے



کچھ حقیقت کچھ گُماں ہے آسماں کے اُس طرف
کس کے خوابوں کا دھواں ہے آسماں کے اُس طرف

کس کے دل کی آگ نے اوڑھی شفق کی اوڑھنی
کس کی آہوں کا دھواں ہے آسماں کے اُس طرف

دل تو اِس دنیا کے ایندھن میں جلایا عمر بھر
کس لیے اِس کا نشاں ہے آسماں کے اُس طرف

یہ جو پل بھر کے لیے چہرہ دکھاتا ہے ہلال
یہ چمکتی سی کماں ہے آسماں کے اُس طرف

کچھ ستارے راستے میں تھک گئے کچھ چل دیئے
کارواں پھر بھی رواں ہے آسماں کے اُس طرف

رات کو پلکوں پہ آ کے دستکیں دیتا ہے جو
کوئی اپنا رازداں ہے آسماں کے اُس طرف

رہ گیا تنہا مسافر راستے کی دھول میں
اور اِس کا کارواں ہے آسماں کے اُس طرف

جو اِدھر سے چل دیا' اس نے پنہ میں لے لیا
کوئی کتنا مہرباں ہے آسماں کے اُس طرف

کس کے جلوے چار سو پھیلے ہوئے رنگوں میں ہیں
کون پردے میں نہاں ہے آسماں کے اُس طرف

کرچیاں ٹُوٹے ہوئے خوابوں کی اِن میں ہیں ضرور
یہ جو بکھری کہکشاں ہے آسماں کے اُس طرف

اِس طرف تو وصل کی آدھی کہانی ہے بتولؔ
اور باقی داستاں ہے آسماں کے اُس طرف



آنکھ کا دریا لال ہوا تو باتیں کرنا بُھول گئے
شہرِ دل پامال ہوا تو باتیں کرنا بُھول گئے

کب سے بارش کر رکھی تھی تم نے لاکھ سوالوں کی
خود پر ایک سوال ہوا تو باتیں کرنا بُھول گئے

اُن سے باتیں کرتے ہوئے دھڑکن دل کی بے ربط ہوئی
جب یہ ربط بحال ہوا تو باتیں کرنا بُھول گئے

گرتے رہے پلکوں سے موتی پھر بھی باتیں یاد رہیں
دامن مالا مال ہوا تو باتیں کرنا بُھول گئے

دن کو اُڑے معصوم پرندے بھول گئے گھر باتوں میں
رات کا گہرا جال ہوا تو باتیں کرنا بھول گئے

دل کی دولت پاس تھی جس پل، کتنی باتیں کرتے تھے
سینہ جب کنگال ہوا تو باتیں کرنا بھول گئے

کتنا زعم تھا ہم سے پل بھر دور نہیں وہ رہ سکتے
اِس قصّے کو سال ہوا تو باتیں کرنا بھول گئے

کچا آنگن، چاروں موسم ہم دونوں کا ساتھ بتولؔ
سب کچھ خواب خیال ہوا تو باتیں کرنا بھول گئے



محبّتوں کا کوئی ایک باب کھول کے دیکھ
یہ کون کہتا ہے پوری کتاب کھول کے دیکھ

چُھپی ہوئی کوئی تعبیر مل بھی سکتی ہے
بندھے ہوئے ہیں جو پلکوں سے خواب کھول کے دیکھ

کلام کرتا ہوا اس میں کس کا چہرہ ہے
تُو اپنے دل کا مہکتا گُلاب کھول کے دیکھ

تجھے پتہ تو چلے کس کے دل کا خون ہوا
وہ بند کھاتے وہ پچھلے حساب کھول کے دیکھ

کوئی زمین سے تکتا ہے آسماں کی طرف
کبھی تو چاند ذرا سا نقاب کھول کے دیکھ

نگاہِ بند سے تجھ کو دکھائی کیا دے گا
جو میرے حصّے میں آئے عذاب کھول کے دیکھ

دھڑکتے دل سے تو خود ہی لگا نہ اندازے
جو اس نے خط کا دیا ہے جواب کھول کے دیکھ

بدن سے روح کا ناتہ ہے کتنی دیر بتولؔ
جو بن پڑے تو نقابِ حباب کھول کے دیکھ

وہ آیا بھی تو کب آیا

کہا اُس نے ادھورا سا کوئی لمحہ
جو میں نے اپنے ہونٹوں سے
تمہارے بھیگے آنچل سے
کبھی باندھا تھا جاتے پل
اُسی لمحے نے برسوں بعد مجھ کو پھر بلایا تو
میں لوٹ آیا
میں لوٹ آیا تو اب دل میں
وہی خواہش مچلتی ہے
کہ تم اپنی ہتھیلی پر
حنا سے نام لکھو اور اُس پر اپنی پلکوں کا کرو سایہ

تمہاری شوخ آنکھوں پر
اور اِن رنگین ہونٹوں پر مراحق ہو
مراحق ہو تمہاری زُلف کی نٹ کھٹ سی اِس لٹ پر
میں دم سادھے ہوئے
بس دیکھتی ہی رہ گئی اُس کو
وہ اب آیا تھا مدّت بعد جب میری ہتھیلی پر
کسی کے نام کی مہندی بھڑک کر بُجھ گئی کب سے
میں سر سے پاؤں تک سارے ہی حق دے کر کسی کو آج
خالی ہاتھ بیٹھی ہوں
وہ آیا بھی تو کب آیا
وہ اب آیا......